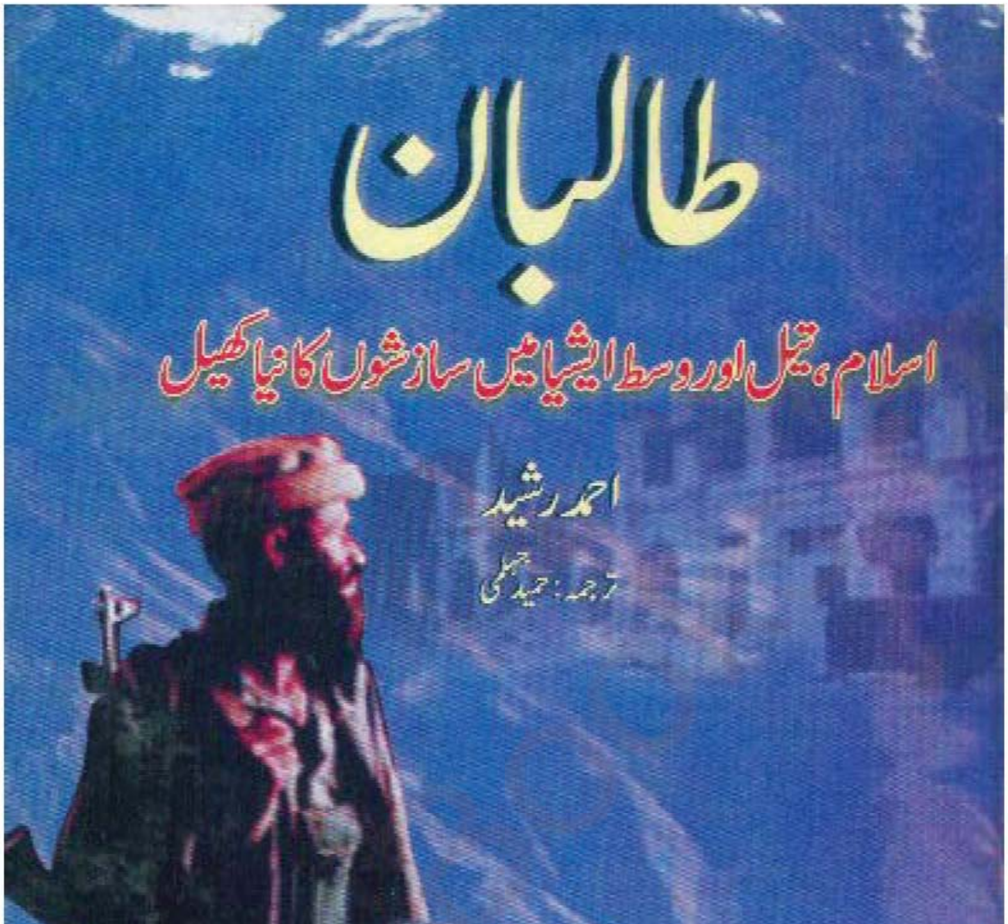
طالبان
اسلام، تیل اور وسط ایشیا میں سازشوں کا نیا کھیل
احمد رشید
ترجمہ: حمید جہلمی
مشعل

طالبان

اسلام، تیل اور وسط ایشیا میں سازشوں کا نیا کھیل

احمد رشید
ترجمہ: حمید جہلمی

کاپی رائٹ اردو©2011 مشعل
کاپی رائٹ انگلش ©احمد رشید، 2000

یہ کتاب آئی بی ٹورس اینڈ کمپنی لمیٹڈ، لندن کی اجازت سے شائع کی جارہی ہے۔ کتاب کا انگریزی نام
Taliban: Islam, Oil and the New Great Game in Central Asia
ہے اور اسے آئی بی ٹورس اینڈ کمپنی لمیٹڈ، نے شائع کیا ہے۔

ناشر: مشعل
آر بی ۵، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان
فون وفیکس:042-35866859
E-mail: mashbks@brain.net.pk

MashalBooks.org

ترتیب

پیش لفظ 7

نقشے 13

دیباچہ 15

حصہ اول: طالبان تحریک کی تاریخ 31

قندھار 1994 33
طالبان کے ماخذ

ہرات 1995 51
اللہ کے ناقابل تسخیر سپاہی

کابل 1996 65
دین داروں کا رہبر

مزار شریف 1997 83
شمال میں قتل عام

بامیان 1998۔99 99
کبھی ختم نہ ہونے والی جنگ

حصہ دوئم: اسلام اور طالبان 115

MashalBooks.org

اسلام کے لئے چیلنج 117

طالبان کی نئی طرز کی بنیاد پرستی

خفیہ سوسائٹی 133

طالبان کی سیاسی اور فوجی تنظیم

ایک نایاب جنس 145

عورتیں، بچے اور طالبان کلچر

منشیات اور طالبان کی معیشت 161

عالمی جہاد 176

عرب، افغان اور اسامہ بن لادن

حصہ سوئم: سازشوں کا نیا کھیل 193

آمر اور تیل کے ٹھیکے دار 195

طالبان، وسطی ایشیا، روس، ترکی اور اسرائیل

طالبان کا رومانی پیکر 213

پائپ لائنوں کے لئے جنگ 1994۔96ء

طالبان کا رومانی تصور 231

پائپ لائنوں کے لئے جنگ اور امریکہ اور طالبان 199۔99ء

MashalBooks.org

آقا یا مظلوم 249
پاکستان کی افغان جنگ

شیعہ بمقابلہ سنی 265
ایران اور سعودی عرب

حرف آخر 279
افغانستان کا مستقبل

ضمیمہ 1 292
1966ء میں کابل پر قبضے کے بعد عورتوں اور دیگر ثقافتی مسائل

کے بارے میں طالبان کے فرامین

ضمیمہ 2 297
طالبان کا ڈھانچہ

ضمیمہ 3 304
طالبان کے سلسلہ وار واقعات

ضمیمہ 4 320
سازش کا نیا کھیل

MashalBooks.org

انتساب

اپنی والدہ کے نام
میں وہ دیکھا جیسے دیکھنا
انہوں نے سکھایا
اور
انجلیز کے نام

MashalBooks.org

پیش لفظ

مجھے یہ کتاب لکھنے میں ۲۱ برس لگے ہیں۔ میں اتنا ہی عرصہ افغانستان کے احوال کے بارے میں رپورٹنگ کرتا رہا ہوں۔ سچی بات ہے کہ افغانستان میں جنگ نے میری زندگی کے اتنے ہی برس لے لئے، خود پاکستان میں اتنا کچھ ہو رہا تھا، جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا۔ پھر وسطی ایشیا تھا، سوویت یونین ختم ہو رہا تھا، غرض لکھنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ لیکن افغانستان میری توجہ کا مرکز بنا رہا، آخر کیوں؟ زمانہ امن یا حالت جنگ، دونوں ہی میں افغانستان اور افغان عوام کو غیر معمولی اہمیت اور حیثیت حاصل رہی۔ افغان عوام اس صدی میں ایک بہت ہی بڑے المیے سے دوچار ہوئے، طویل خانہ جنگی نے افغانوں پر بڑی مصیبتیں ڈھائی ہیں۔ ان کی روداد اور کردار، تضادات کا مجموعہ ہے، وہ بہادر ہیں، باوقار ہیں، ذی شان ہیں، فیاض ہیں، مہمان نواز ہیں، خوش خلق ہیں، وجیہ اور خوبرو ہیں، لیکن ان میں ان سب کے برعکس کچھ خصلتیں بھی ہیں۔ اس سلسلے میں افغان مردوں اور عورتوں میں چنداں فرق نہیں، سختی پر اتر آئیں تو خون آشام ہونے میں انہیں دیر نہیں لگتی اور اس حالت میں کوئی بھی ناپسندیدہ حرکت کر سکتے ہیں۔ ایرانیوں، منگولوں، انگریزوں اور روسیوں نے افغانستان اور افغانوں کو سمجھنے میں صدیاں بتا دیں لیکن نہیں سمجھ سکے۔ اس سعی اور کاوش کے سبب سے ہی ''افغان بنی'' نے فن کا

MashalBooks.org

درجہ حاصل کرلیا۔ کچھ برسوں سے پاکستان نے بھی ایسی ہی روش اختیار کر رکھی ہے، اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ باہر کی کوئی طاقت، افغانوں کو زیر کرسکتی ہے اور نہ انہیں اپنا تابع بنا سکتی ہے۔ بیسویں صدی کے دوران افغانستان نے دو بڑی طاقتوں، سوویت یونین اور برطانیہ کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ گزشتہ ۲۱ برس کے دوران افغانوں کو جنگ و جدل کے سبب سے بھاری نقصان اٹھانا پڑا، پندرہ لاکھ افغان لقمہ اجل بنے اور افغانستان تباہ ہوگیا لیکن کوئی طاقت اسے اپنے زیر نہیں کرسکی۔

افغانستان سے میرے تعلق خاطر میں مقدر کا بھی دخل ہے۔ کئی بار میں صحیح وقت پر، صحیح جگہ جا پہنچا۔ ۱۹۷۸ء میں میں نے کابل میں کئی ٹینکوں کو بڑی گھن گرج کے ساتھ، صدر محمد داؤد کے محل کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہ صدر داؤد کے خلاف بغاوت اور افغانستان کی تباہی کا آغاز تھا۔ ایک برس بعد میں قندھار کے ایک بازار میں چائے کی چسکیاں لے رہا تھا کہ سوویت ٹینک آ گئے۔ سوویت یونین اور مجاہدین میں جنگ چھڑ گئی، میں اس کی رپورٹنگ میں لگ گیا۔ اسی عرصے میں میرے اہل خاندان نے مجھ سے افغانستان پر کتاب لکھنے کو کہا۔ کئی اور بھی صحافی افغانستان پر کتابیں لکھ رہے تھے۔ میں نے ہاتھ روکے رکھا۔ میرے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا۔ سوال یہ تھا کہ کہاں سے شروع کروں؟ ۱۹۸۸ء میں اقوام متحدہ نے جنیوا میں مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا۔ جو پایان کار افغانستان سے سوویت فوجوں کے انخلاء پر منتج ہوا۔ اسی دوران میں نے افغانستان پر کتاب لکھنے کا ارادہ باندھا۔ اس وقت اس بدقسمت ملک کی ابتلاء اور آزمائش کی منظر کشی کرنے کے لئے کم وبیش دو سو صحافی موجود تھے۔ اسے میری خوش قسمتی سمجھئے کہ مجھے اقوام متحدہ امریکہ، سوویت یونین، پاکستان، ایران اور افغانستان کے سفارتی نمائندوں کے درمیان ہونے والے خفیہ مذاکرات کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوئیں، جو مجوزہ کتاب کے لئے اچھا خاصا مواد بن سکتی تھیں، لیکن افغانوں سے میرے تعلق خاطر نے میرا ہاتھ روکے رکھا، جنیوا میں طے پانے والے معاہدوں کے نتیجے میں افغانستان

میں امن کی بحالی اور قیام کی نوبت اس لئے نہ آ سکی کہ افغان خوں ریز اور بے مقصد خانہ جنگی میں ایسے الجھے کہ اب تک اس سے نہیں نکل سکے۔

میں افغانستان سے نکلا اور وسطی ایشیا جا پہنچا، میں افغانوں کے اجداد سے ملنے، ان کے اطوار وخواص جاننے اور گرد و پیش پر ان کے اثرات کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ، سوویت یونین کا شیرازہ بکھرتا دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے وسطی ایشیا کی ریاستوں کے بارے میں کتاب بھی لکھی، مگر میرا دل افغانستان میں اٹکا ہوا تھا۔ سو میں اس کی طرف لوٹ آیا۔

۱۹۹۲ء میں جب نجیب اللہ کی حکومت ختم ہوئی اور کابل پر مجاہدین کا قبضہ ہوا تو میں وہیں تھا، کئی بار گولیاں میرے کانوں کے پاس سے سنسناتی گزر گئیں، یہ سب کچھ کتاب کا موضوع بن سکتا تھا۔ افغانستان کی ابتداء کے حوالے سے میں نے ماسکو، واشنگٹن، روم، جنیوا، پیرس، لندن، اشک آباد، تاشقند اور دوشنبے کا سفر کیا۔ اسی دوران افغانستان میں طالبان ابھرے۔ ان کا برق آسا عروج حیران کن تھا۔ طالبان کی طرفہ حیثیت اور ان کے بارے میں ثقہ معلومات کی کمی نے مجھے تحریک کی کہ میں افغانستان کی پچھلے ۲۱ برس کی تاریخ اور اس سے اپنی وابستگی کا قصہ بیان کروں۔

میں واحد پاکستانی صحافی ہوں جس نے افغانستان کے بارے میں پوری سنجیدگی اور ذمہ داری کے ساتھ لکھا، افغانستان میں جنگ لگی تو وہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا محور بن گیا تھا، وہ صدر جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت کی بقاء کا وسیلہ ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ ۱۹۸۲ء سے میرا یقین تھا کہ اسلام آباد نے افغانستان کے متعلق جو پالیسی وضع کر رکھی ہے، وہ آگے چل کر پاکستان کی قومی سلامتی، ملکی سیاست اور اسلامی بنیاد پرستی سے متعلق مسائل پیدا کرنے کا سبب بنے گی۔ آج جب پاکستان، سیاسی، اقتصادی اور سماجی تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے،، منشیات، ناجائز اسلحے، بدعنوانی، کرپشن اور تشدد کے کلچر نے اسے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ افغانستان میں رونما ہونے والے واقعات

کا اس پر اور زیادہ اثر ہوتا ہے۔

میں نے جو کچھ لکھا، پاکستان کے پالیسی سازوں نے شاید ہی کبھی اس سے اتفاق کیا ہو، صدر ضیاء الحق سے اختلاف کرنا آسان نہیں تھا۔ ۱۹۸۵ء میں صدر ضیاء الحق کی خفیہ ایجنسیوں نے مجھ سے کئی گھنٹوں تک پوچھ گچھ کی اور مجھے تنبیہ کی کہ میں چھ مہینوں کے لئے کچھ بھی نہ لکھوں، یہ سب کچھ میری تنقید اور حرف گیری سے بچنے کا حیلہ تھا، لیکن میں باز نہیں آیا، میں بدستور قلمی نام سے لکھتا رہا، میرا فون ٹیپ ہوتا رہا اور میری نقل وحرکت کی مسلسل نگرانی کی جاتی رہی۔

افغانستان، خود افغانوں کی طرح ایسے تضادات کا حامل ہے، جو کسی بھی رپورٹر کو صحیح نتائج اخذ کرنے نہیں دیتے، گلبدین حکمت یار نے، جو انتہا پسند مجاہدین کے قائد ہیں، مجھے کمیونسٹوں کا ہمدرد ہونے کے الزام میں موت کی سزا کا حکم سنایا۔ یہی سزا بی بی سی کے جارج آرنی کے لئے بھی تجویز کی گئی، ایک برس تک میرا نام اشتہاری مجرم کے طور پر اخبار میں چھپتا رہا۔ ایک بار کابل کے ایک بازار میں لوگوں نے میرا تعاقب کیا۔ وہ مجھے مار دینا چاہتے تھے۔ ہوا یوں کہ حکمت یار کی طرف سے چلائے گئے ایک راکٹ سے دو افغان بچے ہلاک ہو گئے۔ میں ان کے بارے میں خبر لینے گیا تھا۔ لوگوں نے مجھے حکمت یار کا ایجنٹ سمجھا۔ ان کے خیال میں، میں راکٹ سے ہونے والی تباہی کا جائزہ لینے گیا تھا۔ ۱۹۸۱ء میں نجیب اللہ کی بدنام خفیہ تنظیم خاد نے مجھ سے پوچھ گچھ کی، خاد سوویت یونین کی، کے۔جی۔بی کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ اس کے آدمیوں نے مجھے کابل کے ڈاک خانے میں ''ٹائم'' رسالے کا وہ شمارہ پڑھتے دیکھ لیا، جسے ضبط کر لیا گیا تھا۔ مجھے گرفتار کیا گیا۔ بڑی مشکل سے رہائی ملی۔ بعد میں جب نجیب اللہ صدر بنا تو میں نے اس کا کئی بار انٹرویو کیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے نام اس کا مصالحتی پیغام لے جا سکتا ہوں۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ بے نظیر بھٹو میری نہیں سنیں گی۔ ایسا ہی ہوا۔ کئی مرتبہ کمیونسٹ دستوں اور مجاہدین کی جھڑپ میں جب گولیاں برس

رہی تھیں، میں ان کی زد میں آ گیا۔ کئی بار طالبان اور احمد شاہ مسعود کے ٹینکوں کی ایک دوسرے پر گولہ باری میں بھی گھر گیا اور بمشکل جان بچا سکا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں بہادر نہیں ہوں، بعض لوگوں، خاص طور پر افغانوں کی مدد کے بغیر شاید میں افغانستان سے اپنی دلچسپی برقرار نہ رکھ سکتا۔ میرے مددگاروں میں طالبان، ان کے مخالفین، ٹیکسی ڈرائیور، دانشور، مزدور، کسان اور کئی دوسرے لوگ شامل تھے۔ میں ان سب کا شکرگزار ہوں۔ افغانوں کے علاوہ مجھے سب سے زیادہ مدد پاکستان کے وزیروں، سفارت کاروں، جرنیلوں، بیوروکریٹوں اور خفیہ ایجنسیوں کے افسروں سے ملی، جو شاید مجھے اپنے اثر میں لینا چاہتے ہوں یا پھر میرے خیالات سے اتفاق کرتے ہوں۔ ان ہی میں سے کئی ایک میرے بہت پکے دوست بن گئے۔ اقوام متحدہ کی ایجنسیوں اور غیر سرکاری تنظیموں نے مجھے افغانستان میں جگہ جگہ رہنے اور ٹھہرنے میں مدد دی۔ اطلاعات فراہم کیں، میری دستگیری کی، انسانی امداد میں مصروف اداروں سے رابطے کے لئے کام کرنے والے اقوام متحدہ کے دفاتر کے سربراہوں مارٹن باربر، الفریڈ ووٹسچی سسٹری، ایرک ڈی مل اور برگٹ نیو باسر کا خاص طور پر شکرگزار ہوں۔ یہ سبھی افغانستان میں اتنا ہی عرصہ خدمات انجام دیتے آ رہے تھے جتنا عرصہ میں نے صحافی کی حیثیت سے افغانستان میں قیام کیا۔ مہاجرین کے لئے اقوام متحدہ کے ہائی کمیشن سے وابستہ رابرٹ وان لیون، شمس الباری، سری وجارتنے، جیکوس موشٹ، روپرٹ کال ولی اور مانی کیوملہا کے لئے بھی میرے دل میں تشکر اور ممنونیت کا جذبہ موجود ہے۔ ورلڈ فوڈ پروگرام کے انتھک ایڈن ایڈر جتنا طالبان کے بارے میں جانتے تھے، کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔ افغانستان کے لئے اقوام متحدہ کے خصوصی مشن کے فرانسیس اوکیولو، جیمز نگوبھی، ہیروشی ٹاکاہاشی، آرنلڈ شیفر ڈیکر اور انڈریو ٹیسوری اور نیویارک میں اقوام متحدہ بینن سیون اور انڈریو گلی مور، ریڈ کراس کی انٹرنیشنل کمیٹی کے تھامس گرٹنر اور اولیورڈر، ایجنسی میں فریڈرک روسیو اور میری پیری کیلیے اور بچوں کو بچاؤ کے ادارے کے اینڈریو وکڈر اور

MashalBooks.org

صوفی ایلیوسن میرے شکریے کے مستحق ہیں۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے خصوصی نمائندے لخدار براہیمی کا ان کے نقد ونظر کے لئے سپاس گزار ہوں۔

میں نے سولہ برس تک افغانستان کے بارے میں فارایسٹرن ریویو کے لئے رپورٹنگ کی ہے۔ میں اس رسالے کے ایڈیٹروں، خاص طور پر نیوان چنڈا کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے میری رپورٹوں کو اپنے میگزین میں نمایاں جگہ دی۔ افغانستان کی جنگ کے بارے میں رپورٹیں بھیجنے پر آمادہ رکھنے کے لئے انہوں نے مجھے سفر خرچ سمیت تمام ضروری اسباب مہیا کیے، افغان جنگ جو برسوں تک عالمی افق پر نمایاں رہی، اب ایشیا کے ایک کونے پر محض سلگ رہی ہے۔ اس کی پہلی سی آب و تاب باقی نہیں۔ رسالے کے سابق فارمین ایڈیٹر وی جی کل کرنی کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے ۱۹۹۷ء میں اپنا بہت کچھ داؤ پر لگا کر رسالے کے سرورق پر چھپنے والی میری رپورٹ کے بارے میں مالکوں کا شک دور کیا اور انہیں یقین دلایا کہ افغانستان اور وسطی ایشیا کے درمیان تیل اور گیس کی پائپ لائن کی جنگ ''گریٹ گیم'' قرار دیئے جانے کی مستحق ہے۔ دوسرے فارن ایڈیٹر اینڈریو والرا اور اینڈریو شیری نے بھی اپنے پیش رو کی روایت کو زندہ رکھا۔ ڈیلی ٹیلی گراف کے فارین ایڈیٹر نگل ویڈ، پیٹرک بشپ اور سٹیفن رابنسن بھی شکریے کے سزاوار ہیں، اس لئے کہ انہوں نے افغانستان کو بھلایا نہیں، اسے یاد رکھا اور اس کے بارے میں حقائق منظر پر لانے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ بی بی سی کی عالمی سروس، ریڈیو فرانس انٹرنیشنل اور ریڈیو آسٹریلیا کے صحافی ساتھیوں کا بھی ممنون ہوں، جنہوں نے میری رپورٹوں اور تجزیوں کی نشر و اشاعت کا اہتمام کئے رکھا۔ پاکستان میں روزنامہ نیشن کے ایڈیٹر عارف نظامی نے میرا پورا پورا ساتھ دیا، میں نے افغانستان کے بارے میں جو لکھا، انہوں نے کسی تذبذب کے بغیر چھاپا اور انہیں ہمیشہ پہلے صفحے پر نمایاں جگہ دی، وہ سرکاری افسروں کے غصے اور متشددانہ تنقید کو کبھی خاطر میں نہیں لائے۔ ہیرلڈ کی سابق ایڈیٹر شیری رحمٰن بھی میری بھیجی ہوئی رپورٹیں اور تصاویر، نمایاں طور پر چھاپتی

رہیں۔ میں برنٹ روبن کا ضرور ذکر کروں گا، جن کی مدد اور بھرپور حمایت کے بغیر میں وہ کچھ نہ کرسکتا جو کرسکا ہوں۔ میں افغان دانشوروں، صحافیوں اور انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ ان میں اولیور رائے ،(OlivierRoy) نینسی ہچ ڈوپری، اشرف غنی، ولیم مالے، انڈرس فینجی ،سیتھا ماس، اقبال احمد، پٹی گاس مین، عباس فیض، سٹیو لی وائن، ٹونی ڈیوس، ایڈورڈ گراڈٹ، سداوسکائی، ٹم میک گرک، باب نکلس برگ، ملیحہ لودھی، رحیم اللہ یوسف زئی، لیسلی کاک برن، فرانسوار شیپاوَ، جینفر گریفن اور گریٹچن پیٹرز، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میں اسلام آباد اور کابل میں اسوسیٹڈ پریس کی بیورو چیف کیتھی گانن کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے برسوں تک افغانستان کو کوریج دی۔ وہ اپنی اس کارگزاری کی بنا پر کئی پلئرز انعامات کی مستحق قرار دی جاسکتی ہیں۔ ان کی پیشہ وارانہ مہارت کے ساتھ ساتھ ان کی فراخدلی، بے نفسی اور بے لوثی کا بھی اعتراف کیا جانا چاہیے۔ اسلام آباد میں رائٹرز کے یکے بعد دیگرے مقرر ہونے والے سربراہوں جین میکارٹنی، الیسٹر لیون اور اینڈی ہل کا بھی بہت بہت شکریہ۔ سارہ ہنٹ ککی اور ٹارس (Tauris) کا بھی متشکر ہوں، جو افغانستان کے بارے میں رپورٹنگ کے فیصلے اور منصوبے سے کاملاً متفق تھے اور جنہوں نے رپورٹوں کی بروقت اشاعت کا بے عیب بندوبست کئے رکھا۔ یہ کتاب میری بیگم اینجلس اور دو بچوں کے صبر وتحمل، محبت اور مفاہمت کے بغیر نہیں لکھی جاسکتی تھی۔ انہوں نے گھر سے میری طویل غیر حاضری اور کوچہ گردی کو برداشت کیا اور افغانستان کے لئے میرے جذبات کو سمجھا اور ان کی قدر کی۔

احمد رشید (لاہور)

دیباچہ

افغانستان کے پاکباز شجاع

یہ موسم بہار کی ایک گرم سہ پہر تھی۔ قندھار کے دکاندار اپنی دکانیں بند کر رہے تھے، اگلے روز چھٹی تھی۔ تنومند اور باریش قبائیلی پٹھان، کالی پگڑیاں باندھے، تنگ اور گرد آلود گلیوں میں سے ہوتے ہوئے شہر کے فٹ بال سٹیڈیم کی طرف جا رہے تھے۔ سٹیڈیم مین بازار کے عقب میں تھا۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں لپٹے بچے، جن میں اکثریت یتیموں کی تھی، شور مچاتے، اچھلتے کودتے، بھاگم بھاگ گلیوں میں سے گزر رہے تھے۔ لگتا تھا وہ کوئی بہت بڑا تماشہ دیکھنے جا رہے ہیں۔

یہ 1997ء اور مارچ کا مہینہ تھا۔ گزشتہ ڈھائی برس سے قندھار پر طالبان کا قبضہ تھا۔ انہوں نے اسے اپنا دارالحکومت قرار دے دیا تھا۔ افغانستان کا دوتہائی رقبہ، طالبان کے زیرنگیں آ چکا تھا اور اب وہ باقی ماندہ علاقے فتح کرنے کے لئے جہد آزما تھے۔ 1980ء کے عشرے میں بہت کم طالبان سوویت سرخ فوج سے لڑے تھے، ان کی جنگ صدر نجیب اللہ سے تھی، جو افغانستان سے 1989ء میں سوویت فوج کے انخلاء کے بعد بھی چار برس سے اقتدار پر قابض تھا۔ طالبان پاکستان میں قائم افغان مہاجر کیمپوں کے سیکٹروں، دینی مدرسوں میں دینی تعلیم پا رہے تھے۔ ان کی اکثریت کو سوویٹ فوجوں سے نبرد آزما ہونے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ 1994ء کے اواخر میں وہ اچانک، ڈرامائی طور پر منظر پر نمودار ہوئے۔ ان کے دم قدم سے قندھار اور گرد ونواح

MashalBooks.org

کے علاقوں میں قدرے امن وسلامتی کی فضا قائم ہوئی، انہوں نے باہم لڑتے جھگڑتے قبائلی گروہوں کو کچل ڈالا اور ان کی پیشوائی کرنے والوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ انہوں نے لوگوں سے اسلحہ لے لیا۔ سڑکیں جو عرصے سے بند چلی آ رہی تھیں، پھر سے کھول دیں۔ جس کے سبب پاکستان، افغانستان، ایران اور وسطی ایشیا کے درمیان جائز اور ناجائز تجارت ہونے لگی، اس سے جو مالی اسباب میسر آئے، وہ اقتصادی ضرورتیں پوری کرنے کا وسیلہ بنے۔ طالبان کی اکثریت کا تعلق، نسلی لحاظ سے، پٹھان قبیلوں سے ہے جو افغانستان کی دو کروڑ کی آبادی کا 40 فیصد ہیں۔ پشتون قوم پرستی کو انہی کے سبب فروغ ملا۔ پشتونوں نے افغانستان پر 300 برس تک حکومت کی تھی، حالیہ برسوں میں بھی دوسرے چھوٹے نسلی گروپوں نے ان پر فوقیت حاصل کی۔ طالبان کی فتوحات سے پشتونوں کو امید لگی کہ شاید وہ افغانستان میں پھر سے غلبہ پا سکیں گے۔

طالبان نے اسلامی شرعی قوانین کی تشریح اور نفاذ کے لئے سخت اقدامات کیئے، جس پر افغانوں سمیت پوری اسلامی دنیا ششدر رہ گئی۔ طالبان نے لڑکیوں کے تمام سکول بند کر دیئے، عورتوں کو گھر کی چار دیواری سے باہر جانے اور خریداری کرنے کی کم ہی اجازت دی جانے لگی۔ موسیقی، ٹی وی، ویڈیو، تاش، پتنگ بازی اور اکثر و بیشتر کھیلوں سمیت ہر طرح کی تفریح ممنوع قرار دے دی گئی۔ طالبان کی اسلامی بنیاد پرستی اس درجہ متشددانہ اور انتہا پسندانہ تھی کہ اس سے امن، برداشت، دوسرے مذہبی اور نسلی گروہوں کے ساتھ رواداری برتنے سے متعلق اسلامی تعلیمات کی نفی ہوتی دکھائی دینے لگی۔ اس سے پاکستان اور وسطی ایشیا میں بنیاد پرستی کی نئی انتہا پسندی نے جنم لیا، جو روایتی اسلامی انداز، معاشرتی ڈھانچوں اور مروجہ ریاستی نظام سے مفاہمت کرنے کی روادار نہیں تھی۔

چند ہفتے پہلے طالبان نے قندھار میں فٹ بال کھیلنے پر سے پابندی اٹھالی تھی۔ اقوام متحدہ اور دوسرے اداروں نے موقعہ غنیمت جانا اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سٹیڈیم

MashalBooks.org